66

رب العالمین کے بندے بنو

(فرمودہ ۱۲؍ دسمبر ۱۹۱۹ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ:-

اسلام کا خدا۔ یعنی وہ خدا جس کی طرف اسلام بُلاتا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ خدا تعالیٰ کی اس ذات کی تعریف جو ہمیشہ سے چلی آئی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اور وہ ذات جو پہلوں کی خالق اور مالک تھی اور موجودہ کی خالق اور مالک و محافظ و نگران ہے۔ اس کی جو تعریف اسلام نے کی ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کسی ایک کا خدا نہیں۔ بلکہ جس قدر مخلوقات ہے۔ وہ ان سب کا خدا ہے وہ خدا قبیلوں ہی کا خدا نہیں۔ وہ ملکوں ہی کا خدا نہیں۔ وہ شہروں ہی کا خدا نہیں۔ وہ نسلوں ہی کا خدا نہیں۔ وہ کسی خاص تمدن و تہذیب سے تعلق رکھنے والا خدا نہیں۔ بلکہ ہر چیز جو موجود ہے۔ وہ اس کا خدا ہے۔ وہ ہندوؤں کا خدا ہے۔ وہ یہودیوں کا خدا ہے۔ وہ عیسائیوں کا خدا ہے وہ زرتشتیوں کا خدا ہے۔ وہ جس طرح مسلمانوں کا خدا ہے۔ ان کا محافظ و نگہبان ہے۔ اسی طرح وہ عیسائیوں کا محافظ و نگہبان ہے۔ حتیٰ کہ دہریوں کا بھی محافظ و نگہبان ہے۔ ان کی پرورش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ یہودی بھی اس کی مخلوق ہیں۔ ہندو بھی اس کی مخلوق ہیں۔ عیسائی بھی مخلوق ہیں۔ اگر وہ انکار کریں تو علیحدہ بات ہے۔ مگر بہر حال وہ اسی کے ہیں۔ بندے تعلق کو بھلاتے ہیں مگر وہ نہیں بھلاتا۔ وہ اس تعلق کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اس کا تعلق اپنی مخلوق سے حقیقی تعلق ہے۔ ماں باپ بیٹے سے ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق پیدائش کا ذریعہ ہے۔ لیکن وہ اس خفگی میں بھی اس تعلق کو نہیں بھلاتے۔ خواہ کتنی ہی ناراضگی ہو۔ تب وہ تعلق فراموش نہیں ہوتا۔ وہ تعلق کبھی ایسا باریک ہوتا ہے۔ کہ نظر بھی نہیں آتا، مگر وہ ہوتا ضرور ہے اور وہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ مگر خدا کا تعلق ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ناراض بھی ہوتا ہے۔ وہ سزا بھی دیتا ہے۔ مگر بے تعلقی نہیں کرتا۔ عذاب نازل کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے بندے اور خدا میں ایک مخفی تعلق رہتا ہے۔ ماں باپ

لڑتے ہیں۔ ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر بچہ ہوشیار ہوتا ہے۔ تو اس کی ظاہری پرورش کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس کا رزق بند کر دیتے ہیں۔ مگر خدا ناراض ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں رزق بھی تنگ کر دیتا ہے۔ لیکن خُدا کا سورج اس کو روشنی دیتا۔ مینہ اس پر برستا ہے۔ باوجود بے تعلق اور ناراضگی کے محبت کرتا ہے۔ باوجود عذاب دینے کے رحم کرتا ہے۔ وہ بے تعلق ہوتے ہیں۔ مگر خدا کے تعلق کا ایک باریک رشتہ قائم رہتا ہے۔ اگرچہ اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ خدا دوزخ میں بھی ڈالتا ہے، لیکن اس کے متعلق بھی آتا ہے کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ ہوا جہنم کے دروازے کھٹ کھٹاتے گی۔ اور وہاں کوئی نہ ہوگا۔ تو وہ رشتہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کو آگ بھی نہیں جلاتی۔ جسم کو جلا دیتی ہے۔ کایا پلٹ دیتی ہے۔ مگر وہ آگ خدا اور بندے کے تعلق کو نہیں کاٹ سکتی۔ وہ آگ میں سے بھی سلامت نکلتا ہے۔ پس خدا کا بندے سے شدید تعلق ہوتا ہے۔

دنیاوی رشتوں میں بھی محبت ہوتی ہے۔ بھائی بھائی سے محبت کرتا ہے۔ پھر شہری شہریوں کی محبت ہوتی ہے۔ ایک ملک کے لوگوں کی آپس میں محبت ہوتی ہے۔ اگر وقت پڑے تو ہندوستانی مل جاتے ہیں۔ چینی مل جاتے ہیں۔ عرب عرب مل جاتے ہیں۔ پٹھان پٹھان مل جاتے ہیں۔ ایرانی ایرانی مل جاتے ہیں۔ خواہ ان میں پہلے کتنا ہی فساد ہو۔ مگر جب غیر آتا ہے تو غیریت دُور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ماں باپ کی اولاد میں بھی محبت ہوتی ہے۔ اور وہ ایک وقت پڑنے پر اپنا رنگ دکھاتی ہے، لیکن ایک تعلق ان تعلقات سے بھی بڑا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ خدا اور بندے کا تعلق ہوتا ہے۔ جو دوزخ میں بھی منقطع نہیں ہوتا۔ ایک ماں باپ کی اولاد میں تعلق محبت ہوتا ہے مگر اس کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے۔ جب علم ہو۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پہلے خود مارتے ہیں اور علم ہونے پر کہ یہ بھائی تھا یا اور عزیز تھا۔ روتے ہیں۔

مَیں نے کسی معتبر تاریخ میں تو نہیں پڑھا کہ ایک وقت میں رُوسی مسلمانوں کو کوئی علم نہ تھا کہ ان کے سوا اور بھی مسلمان ہیں۔ ایک دفعہ رُوس اور رُوم میں جنگ ہوئی۔ روسی مسلمان روسی فوجوں میں بڑے جوش سے بھرتی ہوئے۔ اور روم والوں سے لڑنے کے لیے آئے۔ جب رُومی قیدی ان کے قبضہ میں گئے اور نماز کا وقت آیا اور انہوں نے اذانیں کہیں۔ تب ان کو معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں۔ وہ آپس میں گلے ملے۔ اور اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے۔ اور خوب روئے۔ یہ ان سے غلطی کیوں ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اس تعلق کو بھُول گئے تھے جو اسلام کے نام میں شامل ہونے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گیا تھا۔

یہ اصل تو حضرت مسیح موعود نے آکر قائم کیا ہے کہ مسلمان جس حکومت کے ماتحت رہیں۔ ان کا فرض

ہے کہ وہ اپنی حکومت کی طرف سے دوسرے مسلمانوں سے جو اس حکومت کے خلاف ہوں لڑیں۔ پس وہ لوگ اسکو ایک غلطی خیال کرتے تھے۔ کہ دو سلطنتوں کے رہنے والے مسلمان اپنی اپنی حکومتوں کی طرف سے ایک دوسرے سے لڑیں۔ پس لوگ نادانستہ طور پر اپنے عزیزوں کو دُکھ پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن واقفیت کی حالت میں شاذ کے سوا انسان اس کو جس پر "اپنے" کا لفظ بولا جائے۔ تکلیف نہیں پہنچاتا۔ یہ کیوں؟ اسی لیے کہ یہ ایک فطری بات ہوتی ہے۔ اور اس تعلق کی وجہ سے لوگ آپس میں نہیں لڑتے لیکن ایک خُدا کے بندے ہوکر آپس میں لڑتے ہیں۔ اور اس کو بُھول جاتے ہیں۔

پہلے زمانہ میں یہ بات اکثر ہوتی تھی۔ کہ لوگ بیرونی ممالک میں جاتے۔ اور اپنے اصلی نام ونمود کو چھپاتے اور وہاں شادیاں کرتے۔ جن سے اولاد بھی پیدا ہوتی۔ پس وہ لوگ اپنے وطن میں آجاتے۔ اور ان کی وہ اولاد جو وطن میں ہوتی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ انکی اور ان کے غیر ملکی بھائیوں کی لڑائی ہو جاتی ایسی صورت میں اگر دونوں اپنے باپ کا نام بھی لیں۔ تو دونوں بے خبر رہیں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ تو جانتا ہے کہ اس کے تمام بندے اسی کے بندے ہیں۔ جس طرح مخلوق کا بعض تعلقات کی وجہ سے لڑنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس خاص تعلق کا جو ایک خالق کی مخلوق ہونے کی صورت میں سب بندوں میں ہے۔ ہونا چاہیئے۔ خصوصیات۔ عمومیات پر غالب آجاتی ہیں۔ ایک شہری شہری کی مدد کرے گا۔ مگر محلہ والے کے مقابلہ میں نہیں۔ اسی طرح ایک محلہ والے کی مدد کی جائیگی۔ مگر بیٹے یا بھائی کے مقابلہ میں نہیں۔ اسی طرح خالقیت کا تعلق عام ہے اور ایک اور تعلق ہے۔ جو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ الوہیت کا تعلق ہے اور رحیمیت کا تعلق ہے۔ بلحاظ ایک اللہ کی پرستش کرنے کے۔ اور بلحاظ صفتِ رحیمیت کے کہ جس کی ماتحت ایک خاص شریعت ملتی۔ اور اس پر عمل کیا جائے۔ ایک خالق کے بندے ایک اللہ کے عابد اور اور ایک رحیم کی شریعت کے متبع اگر یہ آپس میں ہمدردی نہ کریں۔ تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ اس میں وہ اتحاد بیان کیا ہے۔ جو انسانوں میں ہونا چاہیئے۔ پہلے رب العالمین سے شروع ہوا کہ سب کا خالق اور پرورش کنندہ ایک رب ہے۔ پھر اتحاد اس سے ترقی کرتا ہے کہ سب ایک ایسی ہستی کے بندے ہیں۔ جو بغیر محنت کے انعام کرتی ہے۔ پھر اس سے بڑھتے ہیں۔ تو رحیمیت کے ماتحت آتے ہیں۔ اور ایک شریعت کے پابند ہو جاتے ہیں۔ پھر مالك یوم الدین پر آتے ہیں۔ کہ خدا یا ہمارا انجام بھی تیرے

ہاتھ میں ہے۔ یعنی انجام کے لحاظ سے بھی ہم میں اتحاد ہے۔ اس کے نتیجہ میں فرمایا کہ تم ایک ہو جاؤ۔ ایسے کہ لوگ تو کہتے ہیں۔ جیسے ایک جان اور دو قالب، لیکن تمہارے ہزاروں لاکھوں کروڑوں جسم ہوں مگر جان ایک ہو۔ وہ اس طرح کہ آگے آتا ہے۔ ایاك نعبد ۔ اے خدا ہم سب تیرے ہی عابد ہیں۔ یہاں پر انسان تمام دُنیا کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور اپنی عبادت کو تمام دنیا کی عبادت قرار دیتا ہے۔ اس کے بچے سوئے پڑے ہیں۔ بیوی آرام میں ہے بھائی بھی غافل ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ خُدایا میری عبادت ان سب کی ہے مگر یہ بڑی بات نہیں۔ اس وقت تک جب تک امتحان نہ ہو جاتے کہ واقعی کہنے والا اپنی عبادت کو دوسروں کی عبادت قرار دے رہا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے مومن آگے کہتا ہے۔ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنَ اے خدا میری عبادت سب کی عبادت ہے۔ اور جو کچھ تو میری مدد فرمائے۔ وہ ان سب کو مدد دے بعض لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ ہمارا مال تمہارا مال۔ لیکن جب فائدہ پہنچانے کا سوال ہو تو اپنے اس قول میں جھوٹے ثابت ہوتے ہیں، لیکن مومن کہتا ہے کہ اے خدا۔ استعانت بھی میں ہی نہیں چاہتا۔ میرے دوسرے بھائیوں کو بھی دے، لیکن اوروں کو جانے دو۔ تم احمدی آپس میں کیا ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک شخص کے ہاں چور آئے تھے۔ اس نے مجھے لکھا تھا کہ میں نے شور مچایا غیر احمدی اور ہندو جمع ہو گئے۔ مگر سوائے دو احمدیوں کے اور کوئی نہ پہنچا۔ جن میں سے ایک بھائی عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ ایک کوئی اور۔ میں نے اس پر توجہ دلائی تھی۔ لیکن آج جب میں جمعہ کے لیے گھر سے نکلا تو مجھے ایک اور رقعہ ملا۔ جس میں لکھا ہے کہ ایک کے ہاں چور آئے۔ اس نے شور مچایا۔ اس وقت بھی دو احمدی مدد کو گئے۔ باقی محلہ میں سے کوئی شخص مدد کو نہ آیا۔ چوروں کے پاس ہتھیار بھی تھے، ممکن تھا کہ وہ قتل بھی کر دیتے۔ باقی گھروں سے اگر آواز آئی تو یہ کہ کیا ہے۔ میاں کیا ہے۔ اتنا نہیں سمجھے کہ سردی میں رات کے وقت جو شور مچانے لگا ہے۔ وہ کوئی پاگل تو نہیں۔ ضرور کوئی بات ہو گی۔ اگر کوئی سویا رہتا ہے تو خیر وہ مجبور بھی ہے۔ اگرچہ اس کی یہ عجیب نیند ہے، لیکن پھر بھی وہ ایک حد تک مجبور ہے، مگر جو جاگتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ کیا ہے وہ جان کے خوف سے ڈرتا ہے۔ اس کے لیے تو یہ قابلِ شرم بات ہے۔ مومن کو اتنی جان عزیز نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ موت تو ایک پردہ ہے۔ جو خدا اور اس کے درمیان حائل ہے۔ مومن بزدل کیوں ہو۔ مومن اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لیے کہ دین کی خدمت کرے۔ مگر ایسے موقع پر تو نکلنا چاہیئے۔ اگر ایسے وقت میں جب ضرورت ہو نکلنے کی بیٹھا رہے۔ تو وہ خدا سے محبت کی بجائے جان سے محبت رکھتا ہے۔ پس اگر خدا کی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے اور سچے دل سے اس کو قبول کرتا ہے۔ تو اس کو اس قدر بزدل نہیں ہونا چاہیئے۔

پس یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ میری عادت نہیں کہ پہلے سوچ کر اور تیاری کر کے بولوں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دے اور ان میں آپس میں تعلق پیدا کرے۔ اور یہ سمجھیں کہ ایک خدا کے عابد ہیں۔ اور ایک ہادی سے ہدایت پانے والے۔ پر آپس میں تعلق اخوت پیدا کرنا ضروری فرض ہے۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو ان باتوں کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

(الفضل ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء)